چاند سی دلہن

از

ماہا ملک

تاریخ آغاز:31052008

تاریخ اختتام:01062008

اسکینگ: صبا(دی چوزن فیو)

ناول کا آغاز

آج عماد الدین گھر لوٹ رہا تھا۔ میں بے پناہ خوش ہوں۔ اس قدر خوش کہ مجھے اپنے اندر خوشی کا ایک سمندر موجزن محسوس ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے آج میری عمر بھر کی خواہشات کی تکمیل ہو گئی ہے۔ میری ساری دعئیں مقبول ہوئیں۔ میں ہر پریشانی، ہر فکر سے پاک بالکل بھلی چنگی ہو گئی ہوں۔

ابھی کل کی بات لگتی ہے۔ عماد کا داخلہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ وہ چار سال کے لیے مجھے چھوڑ کر دوسرے شہر جا رہا تھا۔ ہ بہت خوش تھا لیکن میں بظاہر خوش، اندر سے بیحد فکرمند اور پریشان تھی۔ زندگی میں کبھی اس سے جدا جو نہ ہوئی تھی۔ پل پل اسے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا پھا۔ ہر ہر لمحہ اس کی حفاظت کی تھی۔ وہ ایک ننھی سی کونپل کی مانند تھا۔ میں نے اسے اپنے خون دل سے سینچا تھا۔ اپنی تمناؤں کو خک کر کے اسے پروان چڑھایا تھا۔ پھر اس کی اس جدائی سے، خواہ وہ عارضی ہی تھی میں کیونکر پریشان نہ ہوتی؟ لیکن میں مجبور بھی تھی یہ اس کے بہتر مستقبل کا سوال تھا۔ اسے آگے، بہت آگے جانا تھا۔ بڑا آدمی بننا تھا اور یہ میری ہی آنکھوں کا سب سے پرانا اور سب سے دیرینہ خواب تھا۔ میری زندگی میں عماد کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ سو وہ ہی میری زندگی تھا۔

میں نیا یک نگاہ بڑی بےچینی سے وال کلاک پر ڈالی۔ گیارہ بج رہے تھے۔ وہ بس پہنچنے ہی والا تھا۔ اسے ساڑھے دس بجے ٹرین سے پہنچنا تھا۔ پھر اسٹیشن سے گھر تک کا فاصلہ تقریباً گھنٹہ بھر کا

تھا۔ میں اسے لینے اسٹیشن جانا چاہتی تھی۔ لیکن عماد نے مجھے منع کر دیا تھا۔

سردی بہت زیادہ ہے امی آپ گھر پر ہی ٹھہریے گا میں خود اسٹیشن سے گھر پہنچ جاؤں گا۔ اب میں کوئی بچہ تھوڑا ہی ہوں۔۔۔ جوا ہو گیا ہوں۔

وہ ہنس رہا تھا۔ اس کے لہجے میں شرارت بول رہی تھی۔ میں نجب ریسیور کریڈل پر ڈالا تو اس کا آخری فقرہ میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔

اب میں کوئی بچہ تھوڑا ہی ہون۔ جوان ہو گیا ہوں۔

اور تب سے اب تک میرے اندر سکون اور طمانیت کا بھرپور احساس موجود تھا۔ میری ریاضت پوری ہو گئی تھی۔ میرا سفر مکمل ہوا تھا۔ میرا عماد جوان ہو گیا تھا۔ آج تک میں نے اسے تحفظ کا بھرپور احساس دینے کی کوشش کی تھیع اب مجھے اس کے تصور سے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔

میں اپنے فلیٹ کی بالکنی میں آ کھڑی ہوئی۔ نیچے ٹریفک رواں تھا۔ میرا عماد بھی اس شہر کی سڑک پر محو سفر ہو گا۔ وہ بس پہنچتا ہی ہو گا۔

میں انتظار کی شدید ترین کیفیت کا شکار تھی۔ جب بیل بجی۔ میرے دل کی دھڑکن لمحہ بھر کے لیے رکی پھر تیز ہو گئی۔ تقریباً دوڑتے ہو میں دروازے پر پہنچی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

میرا چوبیس سالہ خوبرو، جوان بیٹا میری نظروں کیسامنے تھا۔

امی

نجانے اچانک ہی کیا ہوا میں نے اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

عماد۔میرا بیٹا۔میری جان۔۔۔

امی۔۔۔پلیز امی۔وہ مجھے سینے سے لگا اندر لے آیا۔کیا ہو گیا ہے آپ کو۔خوشی کے موقع پر بھی کوئی روتا ہے۔

غم سہتے سہتے جن کی آنکھیں پتھرا جائیں،وہ خوشی کے موقع پر ہی رویا کرتے ہیں میرے بیٹے میرے آنسو کسی طور نہ تھم رہے تھے۔

غم اور تکلیفوں کا دور گزر گیا امی اب ہمارے چاروں طرف خوشی ہی خوشی رقصاں ہو گی انشاء اللہ۔

اس نجیب سے رومال نکال کر میرے آنسو پونچھے۔آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔

اچھا۔اب تم فریش ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے کھانا نکالتی ہوں۔میں نے ساری چیزیں تمہاری پسند کی بنائی ہیں۔میں بمشکل خود پر قابو پا سکی تھی۔

میں جانتا تھا۔اسی لیے میں نے ٹرین میں کچھ نہیں کھایا۔سخت بھوک محسوس ہو رہی ہے۔

وہ اٹھ کر گیا تو میں نے اس کا بیگ کھول کر اس کے لیے کپڑے نکالے۔کافی رنگ کی جرسی میرے ہاتھوں میں آ گئی۔یہ جرسی پچھلے سال میں نے اس کے لیے بنی تھی۔یہ ایک بڑا مشکل ڈیزائن تھا جسے میں نے بہت محنت سے پورا کیا تھا۔میں کچھ دیر کھڑی اسی جرسی کی بناوٹ پر غور کرتی رہی۔پھر اسے کپڑوں میں رکھ کر کچن میں چلی آئی۔آج میں فجر کی نماز پڑھ کر ہی اس کے لیے کھانا پکانے میں لگ گئی تھی۔

میں نے اس کی پسند کی کتنی ہی چیزیں بنا ڈالی تھیں۔

پلاؤ، شامی کباب، پسندے، مسور کی دال کی پھلکیاں، شاہی ٹکڑے اور اورنج کیک۔وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھا تو حیران رہ گیا۔

ارے۔۔میری ماں اتنا ہلکان کیا ہے آپ نے خود کو؟ کب سے لگی ہوئی ہیں؟

فجر سے میں فخر سے مسکرانے لگی۔اور ہلکان نہیں ہلکی ہو گئی ہوں۔خود کو بہت چاق و چوبند اور فریش محسوس کر رہی ہوں۔

فریش تو آپ ہمیشہ ہی رہتی ہیں۔میری ماں تو سدا بہار ہے۔پتا ہے امی میرے دوست مجھ سے اتنا جیلس ہوتے ہیں اس بات پر۔ان سب کی مائیں اتنی بوڑھی بوڑھی سی ہیں اور میری ماں۔ایک دم فریش اور خوبصورت۔آپ ماں نہیں میری باجی لگتی ہیں۔

وہ کھاتے ہو بولتا جا رہا تھا اور میری آنکھیں سوچوں کی دھند میں کھو رہی تھیں۔

میں نے بی اے کیا تھا تو والدین نے اگے مہینے حماد الدین سے میرا بیاہ کر دیا تھا۔میں محض بیس برس کی تھی۔اگلے برس یعنی اکیس سال کی عمر میں عماد کی ماں بن گئی تھی اور چوبیس سال کی عمر میں حماد الدین کی بیوہ

بس میری خوشیوں کی بس اتنی ہی عمر تھی۔والدین کے گھر لوٹ کر آئی تو احساس ہوا کہ اب یہ گھر ماں باپ کا نہیں رہا، بھاوجوں کا ہو گیا ہے اور میری اور میرے بیٹے کی وجہ سے انہیں ان کا گھر چھوٹا محسوس ہوتا تھا۔میں نے حماد الدین کی چھوڑی ہوئی رقم سے فلیٹ خرید لیا اور عماد اور اپنی

ماں کو لے کر یہاں آ بسی۔ عماد کو میں نے اسکول میں داخل کرایا اور خود یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ میں ماسٹرز میں ایکچر رشپ حصل کرنا چاہتی تھی کیونکہ زندگی طویل تھی اور حماد الدین کی چھوڑی ہوئی رقم بیحد مختصر

میں ماسٹرز کرنے لگی۔ کم عمر تھی، خوبصورت بھی تھی۔ کئی نظروں میں سوال ابھرا، کئی ہاتھ دراز ہو لیکن میں کسی ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھ سکی۔ میرے ہاتھ ننھے عماد کی محبت نے باندھ دیے تھے، کسی اور جانب توجہ دینے کے لیے مجھے عماد کو نظر انداز کرنا پڑتا اور ایسا کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ عماد میری زندگی کا عنوان تھا۔ زندگی کی کتاب کو کسی نئے نام کی ضرورت نہ رہی تھی۔ میں نے ماسٹرز کر کے لیکچر رشپ حاصل کر لی۔ زیست کی گاڑی قدرے سہل انداز میں چل پڑی میری ماں نے مجھ پر بہت زور دیا کہ میں دوسری شادی کر لوں۔ وہ عماد کی پرورش بہت اچھے طریقے سیکر سکتی ہیں۔ مگر میں کسی طور پر نہ مانی۔ زندگی میں کئی چیزوں کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن عماد کی محبت ہر کمی کو نامحسوس انداز میں مکمل کر دیتی تھی۔ میں پژمردہ اور اداس ہوتی تو اس کی ایک مسکراہٹ مجھے اندر تک شاداب کر ڈالتی۔ کٹھن راہوں پر چلتے چلتے میرا سانس پھولتا تو اس کے ننھے ننھے بازو میری گردن میں حمائل ہوتے اور میں بلکل پرسکون ہو جاتی۔ میرا سانس بحال ہو جاتا۔ اکھڑتے قدم پھر سیجم جاتے۔ عورت کے ہر نام اور عورت پن کے تمام جذبوں کو فراموش کر کے میں محض ماں رہ گئی اور ماں صبر اور استقامت کا

دوسرا نام ہے۔ ماں ہمیشہ ماں رہتی ہے کبھی نہیں تھکتی، کبھی نہیں مرجھاتی۔

عماد کو بھی میں نے ہمیشہ بہترین اسکولوں میں پڑھایا۔ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ اس کی تعلیم پر صرف کیا۔ اپنے اوپر تو میں نے زندگی کی ہر خوشی حرام کی ہوئی تھی۔ ایک ایک جوڑا میں برسوں چلاتی تھی۔ میک اپ اور زیور کی میں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ گھر کے بجٹ میں نہایت کھینچ تان کر پورا کیا کرتی تھی۔ میری محض ایک ہی آواز تھی۔ زندگی کی دوڑ میں میرا عماد کہیں کسی سے پیچھے نہ رہ جا، کبھی عماد کو یہ خلش نہ ستا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اسے بہتر زندگی میسر ہوتی، عمد کو کوئی احساس کمتری نہ رہ جا۔

خدا کا شکر ہے۔ اس نے میری تمام خواہشات کو پورا کر دیا۔ میری ہتھیلیوں پر رقم ہر دعا کو پورا کر دیا۔ لیکن نہیں ایک دعا ابھی باقی ہے۔

عماد میں نے کچھ دن بعد اسے مخاطب کیا۔ بیٹا میں چاہتی ہوں اب اپنے آخری فرض سے سبکدوش ہو لوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس گھر میں تمہاری دلہن لے آؤں۔

امی وہ چونک اٹھا۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ ابھی تو میں نے عملی زندگی کے میدان میں رکھنے کے لیے پہلا قدم اٹھایا ہی ہے۔ میں بھلا اس قدر جلد شادی سے متعلق کیسے سوچ سکتا ہوں؟

مگر میں نے سوچ لیا ہے۔ میں اطمینان سے بولی۔ مت نے امتیازی نمبروں سے امتحان پاس کیا ہے۔ آفرز آنا شروع ہو چکی ہیں۔ چند ماہ میں ہی تم اپنی بہترین عملی زندگی کا آغاز کرو گے۔ انشائاللہ میں چاہتی ہوں اس کے ساتھ ہی تم اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز بھی کرو۔ زندگی بہت مختصرش کا نام ہے عماد۔۔۔ یہاں پلک جھپکتے بچپن، جوانی اور بڑھاپا گزر جاتا ہے۔ میں

نے ہمیشہ تمہارے لیے بہترین چیزوں کی خواہش کی ہے۔ یہ کہ تم بہترین طریقے سے اپنی عمر گزارو۔ ہر کام وقت پر، سہل انداز میں کرو۔ خوشیوں کا بھی وقت ہوتا ہے۔ عماد۔۔۔انہیں وقت پر حاصل کرنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ وقت گزر جا تو خوشیوں میں انوکھا پن نہیں رہتا۔ یہی وقت ہے بچے ان باتوں کا۔ تم نے بڑی لگن اور جذبے سے اپنی تعلیم مکمل کر لی ہے۔ اب تم زندگی میں آنے والی فراغت اور خوبصورتی کو محسوس کرو۔

وہ سر جھکا میری باتوں پر غور کرتا رہا اور میں جانتی تھی وہ انکار نہیں کرے گا اس لیے کہ اس نے کبھی میری بات کو رد نہیں کیا۔ میں نے جس جذبے سے اس کی پرورش کی تھی یہ اس کا انعام تھا کہ عمادالدین ایک بید فرمانبردار اور اطاعت گزار بیٹا تھا۔ اس نے کبھی میری کسی بات پر نہ کہنا سیکھا ہی نہ تھا۔

میرے ذہن میں عماد کے لئے کئی ایک لڑکیاں تھیں۔ میں نے سوچا ہوا تھا کہ جب انتخاب کا وقت آ تو میں اور عماد باہمی مشورے سے ان ہی میں سے کسی ایک لڑکی کو منتخب کر لیں گے۔ ساری کی ساری بہت سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں لیکن اب جبکہ وہ لمحہ سر پر آ کھڑا ہوا تھا، مجھے کوئی بھی لڑکی اپنے معیار پر پوری اترتی نظر نہ آ رہی تھی۔

میں نے تنہائی میں کئی مرتبہ سوچا۔

میری بڑی بہن کی دو بیٹیاں تھیں۔ فائزہ اور منزہ دونوں ہی بہت پیاری، پڑھی لکھی، نیک سیرت بچیاں تھیں۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ میرا بیٹا عماد بیحد خوبرو، بلند قد و قامت نوجوان تھا جبکہ

فائزہ اور منزہ شکل وصورت کی تو بھلی تھیں، لیکن ان کے قد بہت چھوٹے تھے۔ میرے خیال میں عماد کے ساتھ ان کا جوڑ نہیں بنتا تھا۔

میاں بیوی کے قد میں مناسبت ہو تو جوڑی بھلی لگتی ہے۔ میں نے کئی بار سوچا۔ وہ دونوں ہی عماد کے ساتھ نہیں جچیں گی۔

میں نے اپنی لسٹ سے ان دونوں کو نکال دیا۔

میرے بچپن کی دوست عارفہ کی بیٹی سیماب بھی مجھے بہت پسند تھی۔ وہ بیحد حسین لڑکی تھی۔ گوری رنگت، سیاہ چمکتی آنکھیں، خوبصورت گھنے بال۔ میں اسے دیکھ کر مبہوت رہ جایا کرتی تھی۔ ہمیشہ سے ہی اسے دیکھ کر میرے جی میں یہ خیال مچلتا تھا کہ میں عارفہ سے اسے عماد کے لئے مانگ لوں۔

لیکن اب مجھے دھیان آ رہا تھا کہ سیماب بچپن سے ہی ذرا غصیلی اور ضدی واقع ہوئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات کے لیے وہ عارفہ کو اکثر پریشان رکھتی تھی۔ بھلا ایسی لڑکی کو میں اپنے عماد کے لیے کیسے بیاہ لاتی۔ وہ تو بیحد سلجھا ہوا، نرم مزاج بچہ تھا۔ اس کے لئے تو شبنم جیسی ٹھنڈی لڑکی ہونی چاہیے تھی تا کہ دونوں کی زندگی خوشگوار انداز میں گزرتی۔

چچازاد بھائی طفیل کی بڑی بیٹی مومنہ کو بھی میں نے ہمیشہ سے نظر میں رکھا ہوا تھا۔ وہ بڑی خوبیوں والی لڑکی تھی۔ خوبصورت بھی تھی اور خوش مزاج بھی لیکن اب مجھے یہاں بھی ایک مسئلہ نظر آ رہا تھا۔ مومنہ ڈاکٹر بن گئی تھی اور اپنی پریکٹس کرتی تھی اور ساری عمر نوکری کر کے مجھے یہ

تجربہ حاصل ہوا تھا کہ نوکری پیشہ عورت گھر اور گھر والوں کو وہ بھرپور توجہ نہیں دے پاتی جو ایک عورت کو دینی چاہیے۔ ایک مکمل اور پرسکون گھر کو ایک مکمل ور پرسکون عورت کی ضرورت ہوتی ہے اور نوکری عورت کو نہ مکمل ہونے دیتی ہے، نہ پرسکون۔

میں نے مومنہ کے بھی ریجیکٹ کر دیا۔ گویا وہ تمام لڑکیاں جو عرصہ دراز سے میری لسٹ میں شامل تھیں، وقت آنے پر از خود لسٹ سے باہر ہو گئیں۔

عماد سے میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ وہ ہنس دیا۔ عماد میں چاہتی ہوں کہ ایک بھرپور، مکمل لڑکی ہو جو ہمارا گھر خوشیوں سے بھر دے۔ اپنے بیٹے کے لیے میں چاند سی دلہن لانا چاہتی ہوں۔

میں نے آپ کو منع کیا ہے؟ وہ شوخ ہوا۔ آپ سورج، چاند، ستارہ جیسی مرضی مخلوق لے آئیں۔

تم اپنی پسند بتاؤ

جو آپ کی پسند، وہ میری پسند

مجھے اس پر بیحد پیار آیا۔

دیکھو بیٹے مسئلہ یہ ہے کہ تم مجھے اتنے عزیز، اتنے پیارے ہو کہ کوئی لڑکی مجھے ایسی نظر ہی نہیں آتی، جسے میں تمہارا ہمسفر بنا سکوں۔ میں تم نجانے کیا چاہتی ہون۔ تمہارے حوالے سے میرا معیار کچھ زیادہ ہی بلند ہو گیا ہے۔ اب تم ہی میرا مسئلہ حل کر سکتے ہو۔ کوئی اشارہ تو دو۔

امی۔۔۔ وہ کچھ سنجیدہ ہو کر بولا۔ آپ کو یاد ہے، نانی امی کی پڑوس میں ایک ڈاکٹر اصحب تھے۔۔۔ ان کی ایک بیٹی تھی۔۔۔ نیرہ احمد۔۔۔ جس کے ساتھ میں کھیلا کرتا تھا۔ جو میری کلاس میٹ بھی تھی۔

وہ رک رک کر کہہ رہا تھا۔ مجھے یاد آ گیا۔ وہ بچی بیحد پیاری تھی۔ کبھی امی کے گھر آ جاتی تو سب اسے روک روک کر چوما کرتے تھے۔ شہابی رنگت، ستارہ آنکھوں والی وہ بچی مجھے بخوبی یاد تھی، عماد کی بچپن میں اس سے بڑی دوستی تھی۔

ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ میں خواب کے سے عالم میں بولی۔

نیرہ سے میری پچھلے سال ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بالکل ویسی کی ویسی ہے امی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ اتنی ہی۔۔۔ میں نے ایک مرتبہ سوچا تھا کہ آپ سے اس کا ذکر کروں لیکن پھر میں نے سوچا کہیں میری بات سے آپ کو دکھ نہ پہنچے لیکن اب آپ نے خود پوچھا ہے تو۔۔۔

تو تم نے بات اگل دی۔ میں نے پیار سے اسے دیکھا۔ ورنہ دل کی دل میں ہی رکھتا میرا پگلا بیٹا
میں نیرہ کے گھر جانے کے لئے بیتاب ہو گئی۔ بھلا ایسا ممکن تھا کہ میرا عماد کسی چیز کی خواہش کرتا اور میں اس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے بیتاب نہ ہوتی۔

میرا بس نہ چلتا تھا میں اسی لمحے نیرہ احمد کو اپنے عماد کی دلہن بنا کر لے آتی۔

کچھ وقت سرکا اور خدا نے میری یہ خواہش بھی پوری کر دی۔ میرے عماد کی چاند سی دلہن نیرہ احمد میرے گھر چلی آئی۔

وہ واقعی چاند سی پیاری تھی۔شکل وصورت تو بھلی تھی ہی،طبیعت کی بھی سلجھی ہوئی بچی تھی۔زندگی کی گاڑی پھر سے رواں ہوگئی۔عماد کو بہت اچھی نوکری ملی تو اس کے اصرار پر میں نے استعفیٰ دے دیا۔

اب میں اور نیرہ گھر پر رہا کرتے تھے۔اس دن عماد گھر آیا تو بہت خوش تھا۔دروازہ میں نے کھولا تھا۔وہ مجھے سلام کرکے اندر چلا گیا۔نیرہ کچن میں تھی۔وہ سیدھا کچن میں چلا گیا۔میں اپنے کمرے کی جانب جارہی تھی جب مجھے ان دونوں کے ہنسنے کی آواز آئی۔

ایک لمحے کے لیے میرے قدم تھمے پھر میں لاؤنج سے اپنے کمرے میں آگئی۔نجانے کیوں مجھے غصہ آیا تھا۔وہ عماد جو گھر آکر میرے آگے پیچھے پروانوں کی طرح پھرتا تھا۔وہ محض ایک لفظ بول کر مجھے نظر انداز کرتا گزر گیا۔اسے جمعہ جمعہ آٹھ دن پہلے آئی ہوئی بیوی اس قدر عزیز ہوگئی تھی کہ اسے اپنی ماں کی خیریت دریافت کرنا بھی یاد نہ رہا۔

میں بیڈ پر بیٹھ کر ایک افسردگی کے عالم میں سوچے جارہی تھی جب وہ اجازت لے کر اندر چلا آیا۔

کیا سوچ رہی ہے میری ماں؟ وہ میرے پاؤں تھام کر بیٹھ گیا۔

کچھ نہیں آؤ بیٹھو میں نے پیر سمیٹ کر خود پر قابو پایا۔

امی۔میں نے آفس سے ہفتے بھر کی چھٹی لی ہے۔دراصل میں اور نیرہ گذ ومنے جارہے ہیں۔

وہ بڑے خوشگوار انداز میں بتا رہا تھا۔

میں ایک سکتے کے عالم میں رہ گئی۔یہ وہی عماد تھا جو مجھ سے اجازت لیے بنا پڑوس میں بھی نہیں جاتا تھا اور وہ کتنے مزے سے مجھے ہفتہ بھر کے لیے جانے کا مژدہ سنا رہا تھا۔

اس نے یا نیرہ نے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ابھی میں کچھ کہنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نیرہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ساتھ وہ سوسے تل کر لائی تھی۔

میں نے واضح طور پر محوس کیا۔اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی عماد کی پوری توجہ اس کی جانب مرتکز ہوگئی تھی۔اس نے نیرہ کے لیے کھسک کر جگہ بنائی اور وہ اس سے جڑ کر بیٹھ گئی،اب وہ مسلسل اسے جانے کے پروگرام کے متعلق بتا رہا تھا۔وہ دونوں ہنس رہے تھے،مسکرا رہے تھے۔منظر میں سب سے غیراہم ش شاید میری ذات تھی۔

امی یہ سموسے لیں نا۔اچانک ہی نیرہ کی توجہ میری جانب ہوئی۔ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔

مجھے سموسے پسند نہیں۔نجانے کیوں میرا لہجہ خشک ہوگیا۔اور عماد تو بالکل نہیں کھاتا۔تمہیں بنانے سے پہلے پوچھ لینا چاہیے تھا۔

نیرہ کا چہرہ سفید ہوا۔وہ میرے غیر متوقع جواب سے خجل ہوگئی تھی۔

عماد نے جلدی سے سموسہ اٹھا لیا۔

ارے امی۔۔۔آپ وک نہیں پتا۔میں تو کالج میں اتنے سموسے کھاتا تھا کہ لڑکوں نے میرا نام ہی مسٹر سموسہ رکھ دیا تھا۔

نیرہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔عماد بھی ہنسنے لگا۔میں خون کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔عماد نے زندگی میں پہلی مرتبہ میری بات کی نفی کی تھی۔

وہ دونوں گھومنے گئے تو میں اپنی ذات کے سوالات کے ساتھ تنہا رہ گئی۔مجھے ان دونوں کا یوں جانا بالکل اچھا نہ لگا تھا۔کیا تھا جو وہ پہلے مجھ سے اجازت لیتے پھر پروگرام بناتے۔کیا تھا جو وہ جھوٹے منہ ہی سہی مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہتے۔کیا میں اتنی ہی بیوقوف تھی جو ان کے ساتھ چل دیتی؟

مجھے نیرہ کے خلاف اپنے دل میں پیدا ہونے والی کدورت کا احساس ہوا۔مجھے ایسا لگا کہ چوبیس برس تک میں نے جس باغ کی تیاری کا سامان کیا،جب اس نے تیار ہو کر جنت کی سی صورت اختیار کی تو کسی نے ہاتھ پکڑ کر مجھے میری جنت سے باہر نکال دیا۔

میرے اندر دھواں سا بھرنے لگا۔آگ بھڑک اٹھنے کا سامان ہونے لگا۔وہ کل کی لڑکی میرے عماد کو مجھ سے جدا کر کے لے گئی تھی۔میرے عماد نے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔وہ لوگ واپس لوٹے تو اندرونی خوشیوں سے ان کے چہرے جگمگا رہے تھے۔عماد کو میں نے کبھی اس قدر خوش نہ دیکھا تھا۔وہ بات بات پر قہقہہ لگاتا تھا اور نیرہ۔اس کے چہرے سے نگاہ ہٹانا مشکل تھا۔وہ حد درجہ حسین ہو گئی تھی۔دونوں ایک دوسرے کی ذات میں گم تھے۔

اور میں۔۔۔میں اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھی۔میرا بیٹا، میرا آتی جاتی سانسوں کی واحد وجہ، میرا عماد خوش تھا اور میں اندر سے سلگ رہی تھی اور نیرہ جسے میں خود بڑی چاہتوں سے لے کر

آئی تھی،اس کے لیے میرے دل میں روایتی ساسوں والی نفرت پیدا ہو چکی تھی۔مجھے وہ لڑکی نہایت بری لگنے لگی۔اس نے میرے عماد کو مجھ سے بیپروا کر دیا تھا۔

مجھے اس کا وجود ناگوار گزرنے لگا۔یہ گھر میرا اور عماد کا تھا۔یہاں ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے جیتے مرتے تھے۔ہم دونوں کے خیالات محض ایک دوسرے کے لیے مخصوص تھے۔ان خیالات میں کسی تیسرے فرد کا حصہ نہ تھا۔اور اچانک ہی وہ ہمارے درمیان آ کر نہ صرف حصہ دار بن گئی تھی۔بلکہ اس نے تو مجھے میرے حصے سے ہی محروم کر دیا تھا۔

اب اس کے اور عماد کے درمیان میں شاید کہیں نہ تھی۔

اب مجھے اس کی ہر بات قابل اعتراض نظر آنے لگی۔عماد آفس جاتا تو اس وقت نیرہ سو رہی ہوتی تھی۔میں عماد کو ناشتہ بنا کر دیتی تھی۔میں نے اور عماد دونوں نے ہی کبھی اس کے اس معمول پر اعتراض نہ کیا تھا۔لیکن اب میں اس بات پر غصہ ہونے لگی۔

تم نیرہ سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہیں ناشتہ بنا کر دیا کرے؟ایک صبح اس کے سامنے چا کا کپ رکھتے ہو میں نے کہا۔کیا فرق پڑتا ہے۔امی؟وہ مسکراتے ہوا اخبار کے صفحات الٹنے لگا۔وہ نیند پوری کر لیتی ہے اور مجھے آپ کے ہاتھ کی بنی چا مل جاتی ہے۔

تعریف تو سارا دن تم نیرہ کے ہاتھ کی بنی چا کی کرتے ہو۔میرا لہجہ معمول کے مطابق تھا۔وہ میرا طنز نہ سمجھ سکا۔

ارے اس کو تو میں مکھن پالش کرتا ہوں۔اس نے قہقہہ لگایا۔ورنہ آپ کے ہاتھ کا مزہ اس

کے ہاتھ میں کہاں؟

میں اندر سیشانت ہوئی۔ میرا بیٹا اب تک میرے کھانوں کا دیوانہ تھا۔ میں نے عماد سے مزید کچھ نہ کہا لیکن جب نیرہ سو کر اٹھی تو مین نے اسے خاصا طویل لیکچر دیا۔

ٹھیک ہے امی جیسے آپ کہیں۔ اس نے محض اتنا کہا تھا۔

دوسرے دن سے وہ عماد کے سو کر اٹھنے سے پیشتر ہی اٹھ کر باہر آ جاتی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے ناشتہ بناتی۔ وہ آفس جانے لگتا تو اسے چھوڑنے نیچے سیڑھیوں تک جاتی اور جب وہ واپس آتی تو اس کے لب مسکرا رہے ہوتے تھے۔

اس نے مجھ سے میری خوشی بھی چھین لی۔ اب میرا بیٹا گھر سے نکلتے ہو مجھے نہیں اسے دیکھتا تھا۔

واپس آ کر تو خیر اسے نیرہ کے سوا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔

سارا وقت وہ نیرہ کی تعریفیں کرتا رہتا تھا۔

نیرہ تم بڑے کمال کی لڑکی ہو، ارے یہ کام تم نے کتنا اچھا کیا ہے۔ فلاں وقت تم نے بہت اچھی بات کہی تھی۔ تم کو دل جیتنے کا ہنر کس نے سکھایا؟

اس کے اکثر فقرے میرے کانوں میں پڑتے رہتے تھے۔ ہمارا فلیٹ دو کمروں پر مشتمل ایک مختصر سا گھر تھا اور پھر میرے کان لاشعوری طور پر ان کی باتوں کی طرف ہی لگے رہتے تھے۔ سو مجھے ان کی گفتگو سے اکثر واقفیت رہتی تھی۔

ان دنوں وہ مجھ سے بیحد بینیاز ہو گیا تھا۔ سلام دعا کرتا تھا، میرا مزاج بھی پوچھتا تھا، ہنسی مذاق

بھی کرتا تھا لیکن میں تو اس عماد کا موازنہ ہمہ وقت اس عماد سے کیا کرتی تھی جو صرف میرا عماد تھا۔ میں جس کی روح میں اتری ہوئی تھی۔ جو میری خدمت کو عبادت کہا کرتا تھا۔

میں زیادہ دن نہ رہ سکی۔ ایک دن آفس سے آ کر مجھے سلام کرتا ہوا اپنے کی کمرے کی جانب جا رہا تھا جب میں نے اسے آواز دی۔

جی امی وہ میری جانب بڑھ آیا۔

یہاں آؤ عماد

اسے میرا لہجہ تبدیل لگا۔ وہ فوراً ہی اندر آ گیا۔

جی امی؟ کہیے؟ وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

تمہیں اب اتنی فرصت بھی نہیں ہوتی کہ دو گھڑی ماں کے قریب بیٹھ جایا کرو۔؟ میرا شکوہ بالآخر لبوں پر آ ہی گیا۔

وہ شرمندہ ہو گیا، میرے پیر دبانے لگا۔

سوری امی پچھلے کچھ دنوں سے شاید میں آپ کو وہ پہلی سی توجہ نہیں دے پایا۔ خیر میں آئندہ خیال رکھوں گا۔۔۔میری کوتاہی معاف کر دیں۔

وہ گھنٹہ میرے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ نیرہ کھانے کا پوچھنے آئی تو میں نے کھانا اپنے کمرے ہی میں منگوالیا۔ پھر چا بھی ساتھ پی گئی۔

وہ دونوں اٹھ کر گئے تو میں خاصی مطمئن تھی۔ میرے بیٹے کی برین واشنگ اتنی آسان نہ تھی۔

اس کی رگ رگ میں اسکی امس کی کٹھن ریاض کی احسان مندی دوڑ رہی تھی۔ ایک تو کیا سو نیرائیں بھی اسے مجھ سے غافل نہیں کرسکتی تھیں۔ عماد اب محتاط ہو گیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر نیرہ سے زیادہ مجھے توجہ دینے لگا۔ آفس جانے سے پہلے اور آنے کے بعد وہ نیرہ سے پہلے مجھے پوچھتا تھا۔ رات گئے تک وہ بیٹھا میرے پاؤں دباتا رہتا۔ مجھ سے زمانے بھر کی باتیں کرتا۔ میرا عماد میری ذری سی سرزنش سے پھر سے میرا بن گیا تھا۔

میں اب خوش تھی، جہاں تک نیرہ کی بات تھی، وہ اپنے جذبات کا اظہار نہ کرتی تھی۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ جب عماد کی اس پر زیادہ توجہ مجھے اذیت دیتی ہے تو مجھ پر زیادہ وقت صرف کرنے سے نیرہ کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہوگی۔ بہرطور مجھے نہ اس کی پروا تھی نہ اس کے دل کی۔

وقت کچھ اور سرکا اور بازی ایک مرتبہ پھر لپٹنے لگی۔ نیرہ ماں بننے والی تھی۔ عماد کا بس نہ چلتا تھا وہ یہ خبر سن کر کیا کر ڈالے۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔ نیرہ کی طبیعت خراب تھی، وہ پورا ہفتہ آفس نہ گیا۔ سارا سارا دن وہ اس کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا کبھی اس کے لیے لیموں بناتا۔ کبھی گلوکوز گھولتا، کبھی اسے حلیم لا کر کھلاتا کبھی چنوں کی چاٹ۔

میں ایک مرتبہ پھر پس منظر بن گئی۔ نیرہ نے ایک بار پھر بازی جیت لی۔ اس موقع پر میں کچھ بھی نہ کرسکتی تھی۔ میں عماد سے اس کی کم توجہی کی شکایت بھی نہ کرسکتی تھی۔

میں سارا سارا دن اپنے کمرے میں پڑی رہتی اور عماد اس کی دل جوئی میں لگا رہتا۔ میرے سر میں درد رہنے لگا۔ میرا بلڈ پریشر اکثر ہائی ہو جاتا تھا۔ لیکن عماد کو فی الحال میری پروا نہ تھی۔ وہ نیرہ

کے لئے ایسے فکر مند رہتا تھا جیسے وہ دنیا کی پہلی عورت تھی، جو ایسے مسئلے کو فیس کر رہی ہو۔ ایک دن وہ حسب معمول آفس سے جلدی اٹھ آیا تو میں چیخ گئی۔

عماد تم آج پھر جلدی آ گئے؟ میرا لہجہ تلخ تھا

جی امی۔۔ نیرہ نے فون کیا تھا اس کا دل گھبرا رہا ہے۔

تم ریڈیو یا ٹی وی ہو جو اس کا دل بہلانے چلے آ؟

امی؟ اسے میرے لہجے نے ہراساں کر دیا۔

عماد یہ مرحلہ دنیا کی ہر عورت طے کرتی ہے۔ نیرہ کو احساس ہونا چاہیے کہ وہ تمہاری پیشہ وارانہ ذمہ داریوں میں حائل ہو رہی ہے۔ تمہاری ترقی میں دیر ہو سکتی ہے۔۔۔ بلکہ تمہیں نوکری سے جواب بھی مل سکتا ہے۔

ایسی بات نہیں ہے امی وہ دبے دبے لہجے میں بولا۔

بہر حال۔ مجھے یہ طریقہ پسند نہیں۔ تم نہ تو کوئی کھلونا ہو جو روز اس بچی کا جی بہلانے چلے آتے ہو اور نہ ہی کوئی دائی یا ڈاکٹر ہو جو س کے مرض کی شدت میں کمی کر سکو۔ یہ وقت ہر عورت کو فیس کرنا ہی ہوتا ہے۔ مردوں کو ان باتوں کو اتنا سیریس نہیں لینا چاہیے۔

یہ ایک بھرپور لیکچر تھا۔ جو اندر لیٹی نیرہ نے بھی سنا تھا۔ عماد چپ چاپ سر جھکا اندر چلا گیا تھا اور کچھ دیر بعد تیار ہو کر گھر سے باہر۔ نیرہ پھر کمرے سے باہر نہ نکلی تھی۔

یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔ وہ دونوں بیحد محتاط ہو گئے۔ نیرہ چپ چپ سے رہنے لگی تھی۔ ب اسے

مکمل طور پر احساس ہو چکا تھا کہ میں عماد کے معاملے میں کتنی کچی ہوں۔اب وہ دونوں میرے سامنے ایک دوسرے سے وہ پہلی سی لگاوٹ کا مظاہرہ نہ کرتے تھے۔

عاشر پیدا ہوا تو کچھ عرصے کے لیے ہر قسم کی کشیدگی کا خاتمہ ہو گیا۔عماد خوش تھا۔نیرہ بے پناہ خوش تھی اور میں بھی خوش تھی۔ہمارا گھر پھر سے وہی گھر بن گیا جہاں نیرہ نئی نئی آئی تھی۔عاشر کے آ جانے سے جیسے وہ وقت پلٹ کر آ گیا تھا۔

نیرہ بیٹے کی ماں بن کر بیحد مصروف ہو گئی تھی۔وہ عاشر کے کاموں میں سارا وقت صرف کر دیتی تھی۔میں اس کے دیکھتی تو مجھے اپنا وقت یاد آ جاتا تھا۔عاشر ننھے عماد کا روپ دھار لیتا تھا۔

نیرہ۔جانتی ہو عماد بالکل ایسا ہی تھا۔کبھی کبھی مجھے بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے عماد کا بچپن پھر سے لوٹ آیا ہے۔ایک دن میں نے اسے بتایا۔

آپ تو بہت چھوٹی سی ہوں گی امی۔اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

ہاں۔محض اکیس برس کی میری آنکھیں دھندلائیں۔

آپ تو اب بھی تیس سے زیادہ کی نہیں لگتیں۔وہ شرارت سے ہنسی۔سچ سچ بتائیں امی۔۔۔ کوئی اچھا سا رشتہ آ جاتا تو انکار تو نہ کریں گی؟

نیرہ۔۔۔میں ایک دم پھٹ پڑی۔تمہیں علم ہونا چاہیے کہ تم کس سے کیا کہہ رہی ہو۔بدتمیزی اور مذاق میں حد فاصل قائم رکھنا سیکھو۔۔۔یا شاید تم مجھے اس گھر سے نکالنے کے طریقوں پر غور کرتی رہتی ہو؟

اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔اسے شاید اتنے شدید ردعمل کی توقع نہ تھی لیکن میرے دماغ کی شریانوں میں خون کھول رہا تھا۔میں نے اس بات کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ ایک طوفان اٹھا دیا۔ عماد آیا تو اسے بھی بینقط سنائیں۔

نیرہ اور عماد نے مجھ سے خصوصی معافی مانگی۔میری منتیں کیں تب کہیں جا کر میرا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ عماد نے بھی اس بات کا نوٹس لیا تھا۔وہ کئی دن نیرہ سے ناراض رہا۔نیرہ بالکل مرجھا کر رہ گئی تھی۔اس نے تیار ہونا، ہنسنا بولنا، بیحد کم کر دیا تھا۔اب اس میں وہ پہلی سے چمک نہ رہی تھی، میں قدرے مطمئن تھی۔

بیوی زیادہ چمکے تو شوہر کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔اسے دوسرے رشتے واضح نظر نہیں آتے۔

عماد کی توجہ اس پر کم ہوئی تو وہ میری توجہ کی زد میں آ گئی۔اب میں اسے اس کی جگہ پر رکھنا چاہتی تھی۔میں اسے زیادہ سے زیادہ کاموں میں لگا رکھتی۔اپنا کمرہ بار بار صاف کرواتی۔اپنے کپڑے دو دو مرتبہ دھلواتی۔

شاید لاشعوری طور پر میں اس سے پچھلے دنوں کا حساب مانگ رہی تھی۔وہ ایک آدھ بار جھنجھلائی تو میں نے عماد سے اس کی بدتمیزی کی شکایت کی۔عماد آج بھی میری بات ٹالنا گناہ جانتا تھا۔

ایک دن عماد کے جانے کے بعد نیرہ نے عاشر کو سلایا اور میرے کمرے میں چلی آئی۔

امی مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔اس کے انداز غیر معمولی تھے۔

جلدی کہو۔میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔میرا لہجہ حسب معمول خشک تھا۔

میں چاہتی ہوں کہ میں اور عماد اس گھر میں شفٹ ہو جائیں جو عماد کو کمپنی والے دے رہے ہیں۔

میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

کیا مطلب؟اور میرا کیا ہوگا؟ہم روز آپ سے ملنے آئیں گے۔

عماد راضی ہے؟

وہ آپ کی مرضی کے پابند ہیں۔

پھر؟مجھ سے کیا چاہتی ہو؟میں خوش ہو گئی۔

آپ عماد کو اجازت دیں۔بخوشی

تم اپنا بیٹا میرے مانگنے سے مجھے دے دو گی؟

وہ خاموش ہو کر لب کاٹنے لگی۔

میرے بیٹے پر آپ کا اتنا حق نہیں کہ آپ مجھ سے اسے مانگیں۔میں آپ کے بیٹے کی بیوی ہوں۔وہ کچھ دیر بعد بولی تھی۔

بیوی اور ماں کے حقوق کا موازنہ کیا ہے کبھی؟میں نے نخوت سے اسے دیکھا۔

نہیں۔کبھی نہیں کیا۔میں محض ایک بیوی کے حقوق کا مطالبہ کرتی رہی ہوں اور جو کچھ چاہتی ہوں وہ میرا جائز حق ہے۔

کیا چاہتی ہو؟ایک ماں سے اس کا بیٹا جدا کرنا چاہتی ہو؟

نہیں۔اپنے لیے ایک علیحدہ گھر چاہتی ہوں۔جہاں میرے لیے ذہن سکون ہو، جہاں میں اپنی مرضی کے مطابق جی سکوں۔جہاں میرا شوہر مجھ سے ویسی ہی محبت کرے جیسی وہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ میرا دردسر نہیں ہے۔میں نے بے نیازی سے منہ پھیر لیا۔

آپ کو بخوشی اجازت دینی چاہیے امی ورنہ آپ کو دلی تکلیف ہوگی۔

تم مجھے چیلنج کر رہی ہو؟تم عماد کو مجھ سے کسی طور جدا نہیں کر سکتیں۔کوشش کر دیکھو۔

وہ مجھے ایک گہری نظر سے دیکھ کر مڑ گئی۔

عماد آیا تو میں نے اسے آواز دے کر پہلے اپنے پاس بلوا لیا۔

تمہیں کمپنی گھر دے رہی ہے؟میں نے بنا کسی تمہید کے پوچھا تھا۔

جی۔۔؟وہ چور سا بن گیا۔جی امی۔

تم مجھے تنہا چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟اس لمحے میرے لہجے میں بے یقینی بولنے لگی۔

نہیں امی اس نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر پست آواز میں بولا۔اگر آپ نہیں چاہیں گی تو کبھی نہیں۔

ہوں میں مطمئن ہو گئی۔جا سکتے ہو۔۔۔

میں بیحد پرسکون ہو گئی تھی۔محبت کی جس ڈور سے میں نے اپنے بیٹے کے دل کو باندھا تھا وہ اتنی

کمزور تو نہ تھی کہ یوں ٹوٹ جاتی۔ ماں بیٹے کا رشتہ اٹوٹ ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ، دنیا کا سب سے کمزور رشتہ ہے۔

عام کو نیرہ اپنا بیگ اور عاشر کو لے کر گھر سے چلی گئی۔ شاید عماد نے اس پر اپنا نقطہ نگاہ واضح کر دیا تھا۔

میں بے پناہ خوش ہوئی۔ کھیل میں جیت میری ہوئی تھی۔ نیرہ سمجھتی تھی کہ اس کی دو روزہ محبت اور خدمت میری پچیس سالہ ریاضت پر غالب آ جا گی۔ ایسا ناممکن تھا۔ نیرہ کو گئے مہینہ، دو مہینے اور پھر چھ ماہ گزر گئے۔ عماد ایک عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ نیرہ اس گھر میں واپس آنے کے لئے تیار نہ تھی۔ میں کسی طور اسے علیحدہ ہونے کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ میں نے اپنے بیٹے کو اس کشمکش سے باہر نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک روز میں نے اس سے بت کی۔

عما۔۔۔ جانتے ہو ایک ماں کا قرض کیا ہوتا ہے؟ وہ بیڈ پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

جانتے ہو عماد تمہاری خاطر میں نے زندگی کس طرح گزاری ہے؟

جی امی جانتا ہوں۔

جیسے کوئی جوگ لے کر بھری دنیا چھوڑ دے۔ کسی صحرا میں جا بسے۔

میرا رواں رواں آپ کا مقروض ہے امی

اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو؟

مانگ کر دیکھیں۔ جان سے زیادہ تو نہیں مانگیں گی نا؟ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

نیرہ کو طلاق دے دو۔

کیا؟

وہ اچھل کر بیٹھ گیا اور بڑی بےیقینی سے میرا چہرہ تک دیکھتا رہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اس سے اس کی جان سے بڑھ کر کچھ طلب کیا ہے۔

میں چاہتی ہوں عماد تم ایک خوشی سے بھرپور، مطمئن زندگی گزارو۔ نیرہ وہ لڑکی نہیں جو تمہیں ایسی زندگی دے سکے۔ م اپنیب یٹے کے لیے غلط نہیں چاہے گی۔ مجھ پر بھروسہ کر کے اسے طلاق دے دو۔ میری دعاؤں سے تمہاری زندگی بہت خوشگوار گزرے گی۔ دنیا میں اچھی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ یہی میری خواہش بھی ہے اور میرا حکم بھی۔

میں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

چند روز بعد وہ ٹوٹا ٹوٹا، بکھرا بکھرا میرے پاس آیا تھا۔

امی۔ میں نے نیرہ کو طلاق بھیج دی ہے۔

زندگی میں بہت بڑی تبدیلی آئی تدی لیکن سب کنذچ پہلے جیسا نہ ہو سکا۔ میں نے عماد کی دوسری شادی کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے درخواست کی کہ وہ ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا لیکن میرا عماد اندر سے بدل گیا تھا۔ اس کی تمام خوشی، شوخی، شرارت رخصت ہو گئی تھی۔ میں نے ایک دو مرتبہ عاشر کو لے آنے کی بات کی تو اس نے انکار کر دیا۔

وہ ماں سے بچھڑ کر بیمار ہو جا گا امی۔۔۔ پلیز

میں بھی اتنی ہمت نہ کرسکی کہ ایک ماں س یز بردستی اس کا بچہ چھین لوں۔

پھر ایک دن عماد نے مجھے بتایا کہ وہ دوسالہ کورس کے لیے باہر جا رہا ہے۔

کمپنی نے اس مقصد کے لیے میرا انتخاب کیا ہے۔ میرے کیرئیر کا سوال ہے امی۔ امید ہے آپ مجھے نہیں روکیں گی۔

اس نے خبر سنا کر مجھ سے کہا تھا اور اس بات کے بعد اسے روکنا بے سود تھا۔ اس کا کیرئیر عروج پر دیکھنا تو میری اپنی بہت بڑی خواہش تھی۔

دو سال کی تو بات ہے۔ میں نے خود کو سمجھایا تھا۔ زندگی پلک جھپکتے گزر گئی ہے۔ بھلا چند ماہ و سال کیا معنی رکھتے ہیں؟

عماد چلا گیا۔ میں تنہا رہ گئی۔ شاید تنہائی ازل سے میرا مقدر قرار پائی تھی۔ میں اس کے پلٹ آنے کا انتظار کرتی رہی۔ وہ نہیں ایا۔

دو سال گزرے۔ پھر چار اور پھر چھ سال گزر گئے۔ عماد کے خطوط آتے تھے۔ اس نے وہاں شادی کر لی تھی۔ اس کی بیوی یہاں آنے پر تیار نہ تھی لیکن عماد کو امید تھی کہ کبھی نہ کبھی وہ راضی ہو جا گی۔ تب تک کے لیے اس نے مجھے اچھی امیدوں کے تحفے بھیجے تھے۔

میں جانتی تھی میرا اعماد اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ مجھ سے خفا ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے ہمیشہ کی جدائی بخش دی تھی۔

میں بالکل تنہا رہ گئی۔ زندگی میں کوئی مقصد نہ رہا۔ میں نے ایک اسکول کھول لیا۔ ذہن قدرے

بٹ گیا لیکن اکثر تنہائی میں پھوٹ پھوٹ کر رویا کرتی تھی۔

تب ایک روز ڈاک سے مجھے نیرہ کا خط موصول ہوا۔ وہ خط ایک نئی زندگی کی نوید تھی۔ اس میں لکھا تھا۔

امی جان

السلام علیکم

امید کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ خدا سے آپ کی خیریت اور لمبی عمر کی دعا مانگتی ہوں۔

عماد نے طلاق دینے سے قبل مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے ایک دوست کی حیثیت سے درست مشورہ دوں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

میں نے کہا بیوی دنیا ہے اور ماں آخرت اور ایک مخلص دوست کبھی بھی آخرت کے مقابلے میں دنیا کا سودا کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے مجھے طلاق دے دی۔ اس وقت مجھے آپ سے بے پناہ شکوہ تھا۔ اپ کے خلاف میرے دل میں حد درجہ کدورت تھی۔

لیکن امی جان مجھے اعتراف ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرا میرے دل سے سارے شکوے جاتے رہے۔ ہر طرح کی کدورت مٹنے لگی۔ سارے

غبار بیٹھ گئے۔

کیونکہ میں ایک ماں ہوں اور زندگی اسی طور گزار رہی ہوں جیسے کبھی آپ نے گزاری تھی۔

امی جان آپ کے جذبات اور احساسات کسی الہام کی مانند میرے اوپر نازل ہو رہے ہیں۔ کبھی میں تصور کی آنکھ سے پچھلے مناظر دیکھتی ہوں تو خود کو آپ کی جگہ اور عاشر کو عماد کی جگہ پاتی ہوں۔ لیکن ایک اعتراف میں اور کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی بلقیس بیگم بن کر کسی نیرہ کی زندگی تباہ کرنا نہیں چاہوں گی۔ ہر چند کہ مجھے عاشر سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آپ نے عماد سے کی۔

خدا نے ماں کا حق، ہر دوسرے شخص کے حق سے زیادہ رکھا ہے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمیں اس حق کا احساس اولاد بن کر نہیں، خود ماں بن کر ہوتا ہے۔ ایک ماں اپنی اولاد کے لیے دن رات ریاضت کرتی ہے، اپنی ہستی خاک کر ڈالتی ہے، خواہشات فنا کر دیتی ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ خدا کے دیے حق سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ اپنی قربانیوں کا خراج مانگتی ہے۔ گزشتہ محبت کو حالیہ انا میں تبدیل کر کے اپنی ہی اولاد کی خوشیاں تباہ کر دیتی ہے۔

مجھے اس وقت سے خوف آتا ہے جب میں عاشر سے اپنی ریاضتوں کا صلہ طلب کروں۔ میں نفسیاتی مریضہ بن رہی ہوں۔ یہ خوف میرے ہستی کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ لیکن میں اس خواہش سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتی کہ عاشر دنیا میں سب سے زیادہ مجھے چاہے۔ میرا مان کرے۔

اسی لیے امی جان میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ میں دوسری شادی کر رہی ہوں۔ ایک ایسے شخص سے جس کے تین بچے ہیں اور مزید بچوں کی اسے خواہش نہیں ہے۔

عاشر کو۔۔۔۔۔ میں آپ کے پاس بھیج رہی ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ اس کی بہترین طریقے پر پرورش کر سکتی ہوں۔ اسے بہترین تربیت سے آراستہ کر کے ایک بہترین انسان بنا سکتی ہیں۔ عماد کو میں نے ایسا ہی پایا تھا۔

جہاں تک عاشر کے مستقبل کا سوال ہے، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اب آپ کبھی بھی اپنی غلطی دہرانے کی ہمت نہیں کریں گی۔ عماد کے بعد عاشر کو کھونا آپ کے لیے ناممکن ہوگا۔ عاشر گیارہ برس کا ہے۔ عام بچوں سے بالکل مختلف، بہت ذہین اور سنجیدہ طبیعت کا مالک ہے۔ شاید وقت اور حالات نے اسے ایسا بنا دیا ہے۔ یہ آپ کے پاس آنے اور آپ کے

ساتھ رہنے پر دل سے راضی ہے ورنہ میں اکیلے یہ فیصلہ کبھی نہ کر پاتی۔

شاید اس کے دل میں بھی کہیں یہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح یہ اپنیباپ سے کبھی مل پا گا۔

میرا دل آپ کی جانب سے صاف ہے۔ یقیناً آپ بھی میری کوتاہیوں پر مجھے معاف کر چکی ہوں گی۔ عاشر کل صبح دس بجے آپ کے پاس پہنچ جا گا۔ میرے عاشر کو اپنے عماد جیسا بنائیے گا۔

فقط

نیرہ احمد

میرے آنسو میرے رخسار بھگو رہے تھے۔ میں نے کتنی ہی بار اس تحریر کو پڑھا اور پھر چوم ک اپنے سرہانے رکھ دیا۔

اگلی صبح میں بہت سویرے بیدار ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر کچن میں چلی آ غی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے عاشر کو وہ سب چیزیں بہت پسند ہوں گی جو میرا عماد شوق سے کھاتا تھا۔

میرا بیٹا۔۔۔ میرا لال۔۔۔ میں کام کرتے ہو بڑبڑا رہی تھی۔ میں تجھے بڑی محبتوں سے پالوں گی۔ تیرے لیے اپنی زندگی وقف کردوں گی۔ تو بہت بڑا آدمی بنے گا۔۔۔ پھر میں تیرے لیے چاند سی دلہن لاؤں گی۔۔۔

اختتام------------------------The End